(۹) عن الغريف بن الديلمي قال أتينا واثلة بن الأسقع فقلنا حدثنا حديثا ليس فيه زيادة ولا نقصان فغضب وقال إن أحدكم ليقرأ ومصحفه معلق في بيته فيزيد وينقص فقلنا إنما أردنا حديثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أتينا النبي صلى الله عليه وسلم في صاحب لنا أوجب يعني النار بالقتل فقال أعتقوا عنه يعتق الله بكل عضو منه عضوا منه من النار (ترمذی)

غریف بن دیلمی کا بیان ہے کہ ہم نے ایک بار واثلہ بن اسقع کے پاس آکر فرمائش کی کہ کوئی ایسی حدیث سنائیے جس میں کمی بیشی نہ ہو۔ واثلہ نے خفا ہو کر کہا کہ تم میں سے کوئی شخص جب زبانی قرآن پڑھ رہا ہو اور اس کا مصحف گھر میں آویزاں ہو تو کیا وہ جان بوجھ کر اس میں کمی بیشی کرتا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہمارا مطلب حدیث سے کلام الٰہی نہیں، بلکہ وہ قول ہے جو آپ نے آنحضرت سے سنا ہو، تو انہوں نے بتایا کہ ایک بار ہم لوگ ایک ایسے شخص کی بابت دریافت کرنے حضور اکرم کے پاس گئے جو قتل ناحق کی وجہ سے مستحق دوزخ ہو گیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس جہنمی کا وہی عضو آگ سے بچا لے گا۔

اوپر کی حدیث ۸ اور ۹ میں بعض نکات قابل غور ہیں۔ ۸ میں ایک مرد قیدی کی رہائی کے لئے جو اجر بتایا گیا ہے وہ زن قیدی کے لئے اس صورت میں ہے جبکہ دو قیدی عورتوں کو رہا کیا جائے۔ یہاں بظاہر للذکر مثل حظ الانثیین کا اصول الٹ گیا ہے اس لئے کہ آزادی کے لئے ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں رکھی گئی ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مرد کو آزادی بھی دو گنا ملتا یعنی ایک عورت کی رہائی دو مردوں کی رہائی کے برابر ہوتی۔ لیکن قرآن کریم کا اصل اصول یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ ضعیف ہو اسی قدر زیادہ اسے رعایت دی جائے اور للذکر مثل حظ الانثیین میں بھی دراصل یہی اصول کارفرما ہے .... گویا قرآن پاک کے مطابق سنت کے اس حکم میں صرف آزادی ہی کی ترغیب نہیں دی گئی ہے بلکہ کمزوروں کے لئے زیادہ رعایت کا اصول بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

حدیث ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ "حدیث" کا لفظ صرف قول رسولؐ ہی کے لئے نہیں بولتے تھے بلکہ اس کا اطلاق قرآن پاک پر ہوتا تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ خود قرآن کریم نے اپنے آپ کو حدیث کہا ہے فبأی حدیث بعده یؤمنون۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ فأتوا بحدیث مثلہ۔ اور خود حضورؐ نے بھی فرمایا ہے کہ ان اصدق الحدیث کتاب اللہ (سب سے زیادہ سچی حدیث قرآن ہے) حدیث کے معنی "بات" کے ہیں۔ اب بطور اصطلاح اس کا اطلاق صرف حضورؐ کے اقوال وافعال واحوال پر ہوتا ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض ہونے کی بات نہیں —

اس حدیث میں آزادیٔ غلام کو کفارۂ قتل ناحق بتایا گیا ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ دیت (خون بہا) ساقط ہو گئی ہوگی۔ بعض قتل کے کفارے سے خون بہا اور آزادیٔ غلام دونوں لازم ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یہاں صرف ایک کا

ہوا نیکی سے کفارہ ادا نہیں ہوتا بعض قتل میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے اور بعض میں صرف خون بہا لیا جاتا ہے۔ اس سے یہ سمجھ
میں آتا ہے کہ ... سے ہو سکتا ہے۔ حدیث مذکور میں اس کی کوئی تشریح نہیں کہ یہ قتل کس قسم کا تھا اور دیت ہی یا نہیں۔ اس سے کوئی
بحث ہے۔ ممکن صرف یہ ہے کہ ایک سبب ہونے قاتل کی طرف سے بھی غلام آزاد کرنا اس کی نجات کا سبب ہو سکتا ہے۔

ایک ضروری بات ایک ضروری چیز یہ بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ ان روایات میں صرف مومن غلام یا باندی کی رہائی کا ذکر ہے اس سے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ اجر صرف مرد مومن ہی کی رہائی میں ہے یہ نیکی گھر سے شروع ہوتی ہے لیکن وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ گھر ہی چار دیواری میں بند ہو کر رہ جائے نیکی کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات یا گھر سے شروع ہو کر اسی طرح پوری انسانی آبادی پر پھیل جائے جس طرح ایک تالاب کے وسط میں ایک پتھر پھینکنے کے بعد اس سے پیدا ہونے والا دائرہ موج آہستہ آہستہ پھیلتے تالاب کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ اس روح کو خوب سمجھتے تھے اور اسی لئے آپ نے اس منزل کی طرف پہلا قدم یہ اٹھایا تھا کہ اب کبھی عرب کو غلام نہیں تسلیم کیا جائے گا۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ عجم کی غلامی بھی ختم کر دی جائے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ابتداءً زکوٰۃ و صدقات کی رقم اہل اسلام پر صرف کی جاتی تھی لیکن چونکہ اس کا مقصد صرف مسلمانوں کی اعانت نہیں بلکہ عالم انسانیت کی محتاجگی کو دور کرنا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے انما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین الخ کی تفسیر یوں فرمائی کہ فقراء سے مراد مسلمان محتاج ہیں اور مساکین سے غیر مسلم (کتابی) اہل حاجت مراد ہیں۔

ان تمام احادیث میں کہیں خادم کا لفظ آیا ہے کہیں رقبہ کا اور کہیں صرف امرأ مسلماً۔ یہ سب دراصل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔ عہد نبوت کے بعد بھی ایک دور تک قیدی ہی خادم اور خادم ہی قیدی ہوا کرتے تھے۔ اب یہ شکل بدل گئی ہے۔ عام نوکر چاکر اگرچہ غلام یعنی جنگی قیدی نہیں ہوتے اور ان سے فدیہ طلب کیا جاتا ہے لیکن ان کی زیردستی غلاموں کی زیردستی سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہوتی ہے اور آقا کا عام طور پر ان کی قسمتوں کا قریباً اسی طرح مالک ہوتا ہے پس ملکت ایمانھم یعنی زیردستوں سے ملتا جلتا یہ طبقہ (نوکر چاکر وغیرہ) ان ہی حمایتوں اور رعایتوں کا مستحق ہے جن کے وہ ممالیک مستحق تھے فرق صرف یہ ہے کہ غلام کے لئے رہائی سب سے بڑی رعایت ہے اور ملازمین کے لئے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسیر ہر چند کہ اسیر کا شمار ان ہی جنگی قیدیوں میں ہے جن کا مفصل بیان ابھی ختم ہوا ہے لیکن یہاں بھی یہ ہے کہ ان قیدیوں کی تقسیم وغیرہ میں تاخیر ہوتی ہے اور اس وقت تک انہیں صرف قیدی ہی محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اصل میں اسیر کا اطلاق ان ہی پر ہوتا ہے جو بعد از تقسیم مولا یا غلام وغیرہ بن جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ قبل از تقسیم بھی وہی رعایت کرنے کا حکم ہے جو بعد از تقسیم ہے البتہ ضروری ہے ان کے لئے مختلف احکام نقل کرنے کی ضرورت نہیں تاہم اللہ تعالیٰ نے اس طبقہ مستضعفہ کا بھی خاص طور سے ذکر فرمایا ہے کہ:-

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً ۝ (۷۶ ، ۸)

وہ نیکوکار لوگ ہیں جو اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

محمد حنیف ندوی

معراج النبیؐ

یوں تو نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ کا ایک بندہ قرب و منزلت کے ایسے مقام پر فائز ہے کہ جہاں وہ انوار و تجلیات خداوندی کا براہ راست مشاہدہ کرتا ہے۔ جہاں پروردگار عالم کے فیوض ہدایت سے بہرہ مند ہوتا ہے اور جہاں قلب و ضمیر پر ایسے ایسے عقدے حل ہوتے ہیں کہ ہزاروں برس سے عقل انسانی ان کو سلجھا نہیں سکی۔ لیکن معراج قرب و حضوری کی ایک دوسری ہی کیفیت سے تعبیر ہے۔ ہوا یہ کہ ایک شب اللہ تعالیٰ نے جناب رسالتمآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ زمان و مکان کے فاصلوں کو طے کرتے ہوئے آسمان تک پرواز فرمائیں۔ اور اس جلوہ گاہ ناز تک تشریف لائیں۔ جہاں سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور اپنی چشم بصیرت سے دیکھیں۔ کہ اس راہ قرب و محبت کی وسعتیں کہاں سے کہاں تک ممتد ہیں۔ یہاں آپ نے جلیل القدر انبیاء سے باتیں کیں۔ جنت و دوزخ کے مناظر دیکھے۔ خیر و شر اور نیکی اور برائی کے نتائج و ثمرات کو محسوس شکل میں ملاحظہ فرمایا۔ اور جب لوٹے تو ہمارے لئے نماز کا تحفہ لائے جس میں کہ معراج ہی کی روح کارفرما ہے۔ یعنی جس میں ہر مسلمان کو موقع ملتا ہے۔ کہ وہ اپنے رب سے ہمکلام ہو۔ اور یہ محسوس کرے کہ وہ باوجود اپنی بشریت اور کمزوری کے اس کے دربار میں حاضر ہے اور اس کی نظریں اس کے جمال جہاں آرا پر گڑی ہیں۔ قرآن نے واقعۂ معراج کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع العلیم۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ وہ خدا عجز و درماندگی سے پاک ہے۔ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں پھیلا رکھی ہیں۔ مقصود یہ تھا۔ کہ ہم اس کو اپنی قدرت و حکمت کے نمونے دکھائیں۔ بلاشبہ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ سورہ نجم میں آنحضرتؐ کے ان مشاہدات کے بارہ میں فرمایا ہے ما زاغ البصر وما طغیٰ۔ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔ کہ انہوں نے جن جن کیفیات کو شب معراج میں دیکھا اس میں کوئی دھوکا۔ کجی اور فریب نظر نہ تھا۔ آنکھ نے جو کچھ دیکھا وہ صحیح اور درست تھا۔ فی الواقع آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ انہیں آیات میں سدرۃ المنتہیٰ کا بھی ذکر ہے۔ جو قرب و محبت کا وہ آخری مقام ہے۔ جہاں تک کوئی انسان رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن نے صرف اس قدر وضاحت فرمائی ہے